# قیام امام حسین علیہ السلام کے علل واسباب

مولانا سید اطہر عباس رضوی الہ بادی

مقدمہ

ہم پہلے اس مقالہ میں ان تمام عناصر اور علل واسباب کا اجمالی طور پر جائزہ لیں گے جو قیام حسینی میں دخیل اور مؤثر تھے اور اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں جو اس قیام کا اصلی اور بنیادی عنصر ہے مختصر شرح وبسط کے ساتھ بحث و گفتگو کریں گے۔

آغاز بحث سے پہلے اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں ہر عمل اور اقدام کے لئے ضروری ہے کہ وہ صد فیصد آگاہی اور ارادہ وانتخاب کے ساتھ ہو۔ اسلام آگاہی اور شناخت کے بغیر کسی کام کو انجام دینے کے حق میں نہیں ہے۔ بسا اوقات ممکن ہے کوئی شخص یا کوئی گروہ اپنے اوپر ہونے والے مظالم سے تنگ آکر بغیر کسی ہدف کے اور یہ جانے بغیر کہ وہ کیا چاہتا ہے انقلاب برپا کرنے کی کوشش کرے۔ بلاشک وشبہ امام حسین علیہ السلام کا قیام ایسا قیام نہیں تھا۔ یہ مسئلہ نہ تنہا امام کے کل قیام کے بارے میں صادق ہے، بلکہ امام نے اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ آپ کے ہر ایک صحابی اور ہر فرد اہلبیت کا عمل اور قیام عالمانہ ،آگاہانہ اور آزادانہ ہو، کیونکہ ایسا عمل ہی گرانقدر اور تاثیر گزار اور جاوداں ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شائد یہی نکتہ اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے کہ آخر کیوں امام علیہ السلام مختلف حیلوں اور بہانوں سے اپنے اصحاب کو مرخص کرنا چاہتے تھے ؟امام علیہ السلام مسلسل اپنے اصحاب سے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ میں تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں تم میں سے جس کو جہاں جانا ہے چلا جائے۔ جو رہبر لوگوں کی بے اطمینانی، نارضایتی اور جہالت سے استفادہ کرنا چاہتا ہے، کیا اپنے اصحاب وانصار سے ایسی باتیں کرتا ہے ؟! حقیت میں یہی وہ نکتہ ہے جو شہدائے کربلا کو قدر و قیمت عطا کرتا ہے اور گرانقدر بناتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب وانصار نے اپنی راہ کا انتخاب ، مکمل آزادی اور آگاہی کے ساتھ کیا اور دوست یا دشمن کی طرف سے تھوڑا سا بھی جبر واکراہ کارفرما نہیں تھا۔ بنابراین، امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب وانصار کے تمام اقدامات مکمل آگاہی اور علم کے ہمراہ تھے۔

اسباب قیام امام حسین (ع)

جب ہم اس حوالے سے مطالعہ کرتے ہیں تو کہیں پر ہمیں امام علیہ السلام سے مطالبۂ بیعت اور بیعت سے امام علیہ السلام کے انکار کی بات نظر آتی ہے؛ کہیں پر دعوت اہل کوفہ اور امام کے اس دعوت کو قبول کرنے کی بات نظر آتی ہے اور پھر کہیں پر کلی طور پر حکومت وقت پر امام کی نکتہ چینی کی بات نظر آتی ہے۔اس موقع پر نہ تو مسئلہ بیعت اور امام کے انکار بیعت پر کوئی توجہ دکھائی دیتی ہے اور نہ تو دعوت اہل کوفہ کی بات دکھائی دیتی ہے۔اس موقع پر امام علیہ السلام زمانہ کے حالات اور حکومت وقت کی وضع و حالت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ظلم و فساد کا بازار گرم ہونے کی بات کرتے ہیں،اسلام میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں کہ کیسے اس کی ماہیت تبدیل کردی گئی ہے،حلال خدا کے حرام اور حرام خدا کے حلال کرنے کا ذکر کرتے ہیں،اس وقت کہتے ہیں کہ ایسے پر فتن دور اور پرآشوب ماحول میں ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے احوال و شرائط میں خاموش تماشائی بن کر نہ بیٹھے۔

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نہ بیعت کی بات کرتے ہیں اور نہ دعوت اہل کوفہ کا کوئی ذکر کرتے ہیں۔آخر مسئلہ کیا ہے؟کیا مسئلہ ، مسئلۂ بیعت ہے؟ یا مسئلہ ،مسئلۂ دعوت ہے؟ یا پھر مسئلہ ،مسئلۂ اعتراض و نکتہ چینی، منکرات کا عام ہونا اور ظالم و جابر حکومت کے خلاف علم احتجاج بلند کرنا ہے؟ان میں سے کون سی بات قیام امام کا باعث بنی؟اس مسئلہ کی ہم کس بنیاد پر توجیہ کریں؟اس کے علاوہ یزید اور ما قبل کے ادوار میں کون سا واضح فرق تھا؟ بالخصوص معاویہ علیہ الھاویہ اور اس کے فرزند پلید یزید عنید کے دور میں کیا فرق تھا کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کی لیکن امام حسین علیہ السلام نے کسی بھی صورت یزید سے صلح کرنا گوارہ نہ کیا اور آپ ایسی صلح کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ملحوظ خاطر رہے کہ دونوں اماموں نے صلح بھی کی ہے اور قیام بھی کیا ہے،امام مجتبی علیہ السلام نے ابتدا میں معاویہ کی لشکر کشی کے مقابلے فوج تیار کرکے شام کی سمت مدائن اور ساباط تک پیشروی کی، لیکن نامساعد حالات اور شرائط کی وجہ سے آپ کو صلح کرنی پڑی۔امام حسین علیہ السلام نے بھی چونکہ معاویہ کے ساتھ اپنے بھائی کی صلح کو قبول کیا تھا،اپنے بھائی کی شہادت کے بعد معاویہ کی مدت حکومت میں قیام سے پرہیز کیا اور معاویہ کی موت اور مدت صلح ختم ہونے کے بعد حکومت یزید کے مقابلے قیام کیا۔بنابراین، دونوں نے نوبت وار صلح بھی کی اور قیام بھی کیا۔بدو نظر میں ممکن ہے

پیغمبرؐ کی اس حدیث "اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ اِمٰامٰانِ قَامٰا اَوْ قَعَدا"[۱] کے تحت یہ تصور ہو کہ صلح ایک امام سے اور جنگ دوسرے امام سے مربوط ہے لیکن مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں شائد صحیح تفسیر وہی ہو جو اوپر مذکور ہوئی۔[۲] حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام علل واسباب دخیل اور مؤثر تھے ،اور امام نے ان تمام علل واسباب کے مقابلے ایک خاص ردّ عمل پیش کیا۔ بعض ردّ عمل کا تعلق مطالبۂ بیعت اور انکار بیعت سے ہے اور بعض ردّ عمل کا تعلق اہل کوفہ کی دعوت سے ہے اور بعض ردّ عمل کا تعلق اس دور میں رائج منکرات اور فسادات سے ہے۔

استاد شہید مطہری ،مؤلف کتاب " شہید جاوید" نعمت اللہ صالحیٰ نجف آبادی اور استاد محقق مہدی پیشوائی کے نقطۂ نگاہ سے امام علیہ السلام کے قیام کے علل واسباب کو تین باتوں میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے :

۱۔ مطابۂ بیعت

۲۔ دعوت اہل کوفہ

۳۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

۱۔ مطالبۂ بیعت

قیام امام علیہ السلام میں مسئلہ بیعت کتنا دخیل تھا اور امام علیہ السلام کا اس حوالے سے کیا ردّ عمل تھا اور صرف مطالبۂ بیعت کے حوالے سے امام علیہ السلام پر کیا فریضہ عائد ہوتا تھا؟ اس عنوان کے تحت ہم ان تمام سوٴالات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ معاویہ علیہ الہاویہ کس طرح سے تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ امام حسن علیہ السلام اپنے اصحاب کی بے وفائی اور سستی و کاہلی کے نتیجے میں معاویہ کے ساتھ ایک مؤقت معاہدہ صلح پر دستخط کرتے ہیں۔ یہ معاہدہ معاویہ کی حکومت وخلافت کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اس بنیاد پر تھا کہ معاویہ اگر حکومت کرنا چاہتا

---

۱۔ مناقب آل ابی طالب ، ج ۳، ص ۳۹۴۔

۲۔ سیرہ پیشوایان ، مہدی پیشوائی، ص ۱۴۳۔

ہے تو وہ ایک محدود مدّت تک حکومت کرے اور اس کے بعد اس کا اختیار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ جس کو وہ بہتر سمجھیں گے خلافت کے لئے منتخب کر لیں گے۔ معاویہ کے دور تک مسئلہ خلافت ایک موروثی مسئلہ نہیں تھا؛ ایسا مسئلہ تھا جس کے بارے میں صرف دو طرح کی رائے تھی ایک رائے یہ تھی کہ سزاوارِ خلافت صرف اور صرف وہ شخص ہے جس کو پیغمبر خداؐ کے حکم سے منصوب کریں اور دوسری یہ کہ لوگوں کو خود اپنا خلیفہ چننے کا حق حاصل ہے۔ خلاصہ کسی بھی خلیفہ کو اپنا جانشین چننے کا حق حاصل نہیں ہے۔ صلح امام حسن کی ایک شرط یہی تھی کہ معاویہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین معین نہیں کرے گا لیکن معاویہ نے دیگر شرائط کی طرح اس شرط پر بھی عمل نہیں کیا اور اپنے بیٹے یزید کے لئے میدان ہموار کرنے کی خاطر امام علیہ السلام کو حیلہ و تزویر کے ساتھ زہر دغا سے شہید کرادیا تاکہ کوئی دعویدار باقی نہ رہ جائے اور اس کا راستہ صاف ہو جائے۔ معاویہ اپنے باپ ابو سفیان کی دیرینہ خواہش کا احترام کرتے ہوئے روز اوّل سے اس بات کا مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ خلافت کو خاندان ابو سفیان سے باہر نکلنے نہیں دے گا۔ مؤرخین کے بقول وہ خلافت کو ملوکیت اور سلطنت میں تبدیل کرنے کا خواہشمند تھا، لیکن یہ بات وہ خود بھی محسوس کرتا تھا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اس بارے میں بہت زیادہ سوچا کرتا تھا، اپنے خاص دوستوں کے درمیان اس بات کو رکھتا تھا لیکن برملا اظہار نہیں کرتا تھا کیونکہ سمجھتا تھا کہ یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔

مؤرخین کے بقول جس شخص نے اس کو اس کام کیلئے مہمیز کیا اور اطمینان دلایا کہ یہ کام ہو سکتا ہے، مغیرہ بن شعبہ تھا۔ اور یہ کام اس نے دوبارہ کوفہ کا گورنر بننے کی لالچ میں کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے شام کا سفر کیا اور یزید سے اپنی ایک ملاقات میں کہا کہ نہیں معلوم معاویہ تیرے بارے میں کیوں اتنی کوتاہی کر رہا ہے، آخر اس کو کس بات کا انتظار ہے؟ تجھ کو لوگوں کے سامنے اپنے جانشین کے طور پر پیش کیوں نہیں کر رہا ہے؟ یزید نے کہا: میرا باپ سوچتا ہے کہ یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔ مغیرہ نے کہا: کیوں نہیں بالکل ممکن ہے۔ آخر تجھے کس بات کا اندیشہ ہے؟ کہاں کے لوگوں کے بارے میں سوچتا ہے کہ وہ اس کام میں رکاوٹ ڈالیں گے؟ شام کے لوگ بسر و چشم قبول کریں گے۔ رہی بات مردم مدینہ کی تو اس کام کے لئے فلاں شخص بہترین انتخاب ہے وہ اس کام کو انجام دے گا اور سب سے اہم اور خطرناک عراق ہے، اس کی ذمہ داری میں خود لیتا ہوں۔ خلاصہ اس طرح سے یزید کی جانشینی کی بساط بچھائی جاتی ہے۔ کوفہ اور مدینہ کے لوگ قبول نہیں کرتے ہیں اور معاویہ خود مدینہ آنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور کبار اہل مدینہ حضرت امام حسین علیہ السلام، عبد اللہ بن

عمر اور عبد اللہ بن زبیر کو ہر ممکن طریقے سے قانع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کی چرب زبانی اور لسّانیت بیکار جاتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی بھی اس بات کے لئے آمادہ اور تیار نہیں ہے تو مسجد النبی میں لوگوں کو یہ کہہ کر فریب دینے کی کوشش کرتا ہے کہ ان لوگوں کو یزید کی جانشینی پر کوئی اعتراض نہیں ہے انھوں نے میرے بعد یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا ہے؛ لیکن اس کی یہ سازش بھی ناکام ہو جاتی ہے۔

معاویہ مرتے وقت یزید کے بارے میں شدید تشویش کا شکار رہتا ہے۔ اسی لئے اس کو ان تینوں حضرات کے بارے میں چند نصیحتیں کرتا ہے اور اس کو تلقین کرتا ہے کہ ان حضرات میں کس سے کس طرح بیعت لی جائے۔ خاص طور پر حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام سے زیادہ نرمی اور ملائمت کے ساتھ پیش آئے۔ کہا: حسین فرزند رسول ہیں، ان کا مسلمانوں کے نزدیک ایک خاص مرتبہ ہے، اس لئے جنگ اور ظفر کی صورت میں حسین سے سختی کے ساتھ پیش نہ آنا۔ معاویہ خوب جانتا تھا کہ اگر یزید نے حسین کے ساتھ سختی کی اور اپنے ہاتھ کو خون حسین سے آلودہ کیا تو خلافت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور پھر اولاد ابو سفیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خلافت سے محروم ہو جائے گی۔ لیکن یزید نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے فوراً بعد اپنے باپ معاویہ کی نصیحتوں کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ایسا کام کیا کہ کھل کر خاندان ابو سفیان کا کوئی نام لینے والا باقی نہ رہا۔

سنہ ۶۰ ہجری میں معاویہ کی موت کے بعد یزید نے حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو ایک خط لکھتا ہے اور اس خط میں معاویہ کی موت کی خبر دیتا ہے اور اسی کے ساتھ ایک مخصوص علیحدہ خط میں اپنا شدید حکم صادر کرتا ہے کہ عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر بالخصوص حسین بن علی سے میری بیعت لے لے اور اگر بیعت نہ کریں تو سر تن سے جدا کر کے میرے پاس بھیج دے۔ ان دونوں کے ساتھ امام کو دار الامارہ میں طلب کیا جاتا ہے۔ وہ دونوں نہیں جاتے مگر امام کچھ جوانان بنی ہاشم کے ہمراہ حاکم مدینہ کے پاس جاتے ہیں اور جوانان بنی ہاشم کو دار الامارہ کے باہر رہنے کی تاکید فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر میری آواز بلند ہو تو اندر آنا ورنہ باہر میرا انتظار کرنا[1]۔ ولید امام کو مرگ معاویہ کی خبر دیتا ہے۔ امام کلمۂ استرجاع ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حاکم مدینہ امام سے یزید کے لئے بیعت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسلام و مسلمین کی مصلحت اسی میں ہے کہ آپ یزید کی بیعت کر لیں۔ امام فرماتے ہیں: *اِنَّ الْبَیْعَۃَ لَا تَکُوْنُ سِرّاً تو مجھ سے بیعت کیوں طلب کر رہا

---

۱۔ معالی السبطین، ج۱، ص۲۱۱۔

ہے؟خدا کے لئے تو بالکل بھی نہیں ہے۔تو مجھ سے اس لئے بیعت طلب کر رہا ہے کہ مجھے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی یزید کی بیعت کریں۔اس نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔امام نے فرمایا: ایسی صورت میں میرے بیعت کرنے کا کیا فائدہ کہ جہاں صرف تیں لوگ موجود ہیں۔حاکم کہتا ہے :آپ بجافرماتے ہیں ، ٹھیک ہے کل روز روشن میں سب کے ساتھ آکر بیعت کیجئے گا۔یہ دیکھتے ہی مروان بن حکم بول پڑتا ہے : ولید کیا کر رہا ہے ؟اگر حسین اس وقت یہاں سے بیعت کئے بغیر چلے گئے تو پھر کبھی ہاتھ نہ آئیں گے اور بیعت لینا ممکن نہ ہوگا۔اس لئے بہتر ہے کہ بموجب حکم خلیفہ ، حسین کے سر و تن میں جدائی کردے۔یہ سنتے ہی امام نے مروان کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور اس کو زور سے زمین پر دے مارا اور فرمایا :يَابنَ الزَّرْقَاء اَنْتَ تَقْتُلنِیَ اَمْ هُوَ كَذِبْتَ وَالله وَاَثِمْتَ[1] اے فرزند زن نیل گوں چشم تو مجھے قتل کرے گا یا یہ ،خدا کی قسم تو جھوٹا اور گنہگار ہے۔اس کے بعد امام نے ولید کی جانب رخ کیا اور فرمایا :*اَيُّهَا الْاَمِيرُ اَنْتَ تَعْلَمُ بِاَنَّا اَهلُ بيتِ النُّبوةِ وَمَعْدِنُ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلٰائِكَةِ بِنَا فَتَحَ اللهُ وَبِنَا يَخْتِمُ وَيَزِيْدُ رَجُلٌ فَاسِقٌ شَارِبُ الْخَمرِ قَاتِلُ النَّفسِ الْمُحْتَرَمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ وَالْفُجُورِ وَاِنَّ مِثْلِی لَا يُبَايِعُ مِثلَهٗ لٰكِنْ نَصْبِحُ وَتَصْبِحُونَ وَنَنْظُرُوَ تَنْظُرُونَ اَيُّنَا اَحَقُّ بِالخِلَافَةِ وَالْبَيْعَةِ*[2] اے حاکم تو تو جانتا ہے کہ ہم اہلبیت نبوت اور معدن رسالت ہیں ، ہماری چوکھٹ پر فرشتے جبہ سائی کرتے ہیں ، ہم نقطہ آغاز خلقت ہیں اور ہمیں پر دنیا کا خاتمہ ہوگا؛رہی بات یزید کی تو وہ مرد فاسق ، شارب الخمر ، قاتل نفس محترمہ اور فسق و فجور کا دلدادہ ہے ،اور مجھ جیسا اس کے جیسے کی بیعت کبھی نہیں کرے گا۔رات ڈھلنے دے، دونوں صبح ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور غور کرتے ہیں کہ ہم دونوں میں کون سزاوار خلافت و بیعت ہے۔

بہرحال قیام حسینی میں دخیل اور مؤثر پہلا عنصر بلاشک و شبہ مسئلۂ بیعت ہے کہ یزید نے امام سے مطالبۂ بیعت کیا اور اس بات کی گواہ تمام تواریخ و سیر اور مقاتل کی کتابیں ہیں۔یزید اپنے ایک جداگانہ مخصوص خط میں اس طرح لکھتا ہے :خُذِ الْحُسَينَ بِالْبَيْعَةِ اَخْذاً شَدِيْداً[3] حسین سے بیعت لینے کے لئے ان کو سختی کے ساتھ

---

۱۔معالی السبطین ، شیخ محمد مہدی حائری ، ص ۲۱۲۔

۲۔سابق حوالہ ، ج۱، ص ۲۱۲۔

۳۔مقتل مقرم ، ص ۱۴۰

اپنی گرفت میں لے لے اور جب تک بیعت نہ کریں انھیں آزاد نہ کر۔امام علیہ السلام نے بھی اس مطالبۂ بیعت کے جواب میں مکمل استقامت و جوانمردی کا ثبوت دیا اور اسی شدت کے ساتھ بیعت سے انکار کر دیا یہاں تک کہ یہ انکار بیعت آپ کی شہادت تک اسی آب وتاب اور قوت کے ساتھ باقی رہا۔چنانچہ روز عاشوراء امام علیہ السلام کے اس نورانی بیان سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا انکار اسی قوّت کے ساتھ آخری لمحات حیات تک باقی رہا:لَا وَاللّٰہِ لَا اُعطِیکُم بِیَدِی اِعطَاءَ الذَّلِیلِ وَلَا اَفِرُّ فِرَارَ العَبِیدِ آپ کا ایک اور نورانی اور حماسی بیان بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ انکار بیعت اسی قوّت کے ساتھ آخری نفس حیات تک باقی رہا:اَلَا وَاِنَّ الدَّعِی یَابْنَ الدَّعِی قَدْ رَکَزَ بَیْنَ اثْنَتَیْنِ بَیْنَ السَّلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ وَھَیْھَاتَ مِنَّا الذِّلَّۃ یَابَی اللّٰہُ ذَالِکَ لَنَا وَرَسُولُہ وَالْمُؤْمِنُونَ وَحُجُورٌ طَابَتْ وَ طَھُرَتْ*[۲] زنازادہ، فرزند زنا زادہ نے میرے سامنے صرف دو راستے چھوڑے ہیں یا شمشیر بدست ہو کر عروس شہادت کو گلے لگاؤں یا یزید کی بیعت کرکے ذلت و خواری کے ساتھ زندگی گزاروں؛ذلّت وخواری حسینؑ سے کوسوں دور ہے اور ہمارے لئے یہ ذلّت وخواری نہ خدا کو پسند ہے اور نہ اس کے رسول کو پسند ہے ،نہ مؤمنین کو پسند ہے اور نہ ان پاک و پاکیزہ آغوشوں کو پسند ہے جن آغوشوں میں، میں پروان چڑھا ہوں۔

قیام حسینی کے اس عنصر سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ احقاق حق اور ابطال باطل کی راہ میں ہمیں اسی طرح استقامت و پائیداری ، حمیت و غیرت ، شجاعت و شہامت اور شدت و حدت کا مظاہرہ کرنا چاہئے بھلے ہی اس راہ میں ہمیں اپنی جان کیوں نہ گنوانی پڑے۔

اس سبب کی ابتدا تو معاویہ کے آخری دور سے ہو چکی تھی فرق صرف اتنا ہے کہ معاویہ کی موت اور یزید کے تخت حکومت پر متمکن ہونے کی بعد اس میں شدّت وحدّت اور فوریت آگئی تھی۔

۲۔دعوت اہل کوفہ

---

۱۔ارشاد شیخ مفید، ص ۲۳۵۔

۲۔تحف العقول، ص ۲۴۱۔

قیام امام علیہ السلام کا دوسرا سبب دعوت اہل کوفہ کو بتایا جاتا ہے۔ شائد بعض کتابوں میں پڑھا ہو یا بعض مقررین سے سنا ہو کہ ۶۰ ہجری میں معاویہ واصل جہنم ہوتا ہے، اس کے بعد اہل کوفہ امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ امام حسینؑ کوفہ جانے کا قصد کرتے ہیں، اہل کوفہ غداری و بے وفائی کرتے ہیں اور آپ کی نصرت سے پہلو تہی کرتے ہیں اور امام حسینؑ شہید ہو جاتے ہیں۔ انسان جب یہ تاریخ پڑھتا ہے تو سوچتا ہے کہ شائد امام حسین علیہ السلام ایسے شخص تھے جو اپنے گھر میں آرام وسکون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور انھیں کسی سے کوئی غرض نہیں تھی اور کسی چیز کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے تھے، تنہا جس چیز نے امام کو مہمیز کیا، وہ اہل کوفہ کا امام کو دعوت دینا تھا، در حالیکہ امام حسین علیہ السلام یزید کی حکومت کے اوائل میں ہی بیعت سے انکار کر چکے ہوتے ہیں اور اس کے بعد مدینہ سے خارج ہوتے ہیں اور اپنے قیام کا آغاز کرتے ہیں، اور چونکہ مکّہ حرم امن الٰہی ہے اور وہاں پر زیادہ امن وامان موجود ہے اور مسلمان اس جگہ کو بہت زیادہ احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حکومت بھی مکّہ کا احترام کرنے پر مجبور ہے، اس لئے امام حرم امن الٰہی کو آباد کرتے ہیں۔ تقریبا ڈیڑھ مہینہ بعد اہل کوفہ کے خطوط آنے شروع ہوتے ہیں۔ دعوت پر مشتمل اہل کوفہ کا ایک بھی خط مدینہ نہیں آتا اور امام اپنے قیام۔ نہضت۔ کا آغاز مدینہ سے شروع کرتے ہیں۔ اہل کوفہ کے خطوط امام حسین کو مکہ پہونچنے کے ڈیڑھ ماہ بعد ملنے شروع ہوتے ہیں، جبکہ امام پوری شدّت وحدّت کے ساتھ رجب کے اواخر میں بیعت یزید سے انکار کر چکے ہوتے ہیں، اور یہی چیز امام کے لئے بہت خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ امام خوب جانتے تھے کہ یزید اور یزیدی کبھی بھی طلب بیعت سے دستبردار نہ ہوں گے اور امام کے بیعت کرنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اگر بیعت کرنا ہوتی تو مدینہ چھوڑ کر مکہ کیوں آباد کرتے۔ بنابراین، دعوت اہل کوفہ امام کے قیام اور نہضت کی اصلی وجہ نہیں ہے بلکہ فرعی وجہ ہے۔ دعوت اہل کوفہ کا زیادہ سے زیادہ فائدہ جو سوچا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس دعوت نے امام علیہ السلام کو عوام الناس اور قضاوت تاریخ کے لحاظ سے بری الذمّہ کر دیا۔ لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ کتاب *شہید جاوید* کے مؤلف نے قیام امام کی بنیادی اور اصلی وجہ دعوت اہل کوفہ کو قرار دیا ہے۔

کوفہ ایک بڑا شہر تھا اور اسلامی فوج کا مرکز تھا[۱]۔اور اسلامی ممالک کی سر نوشت میں اس کا بہت مؤثر کردار تھا۔اس بناء پر اگر اہل کوفہ اپنے عہد و پیمان پر باقی رہتے تو شائد امام حسین علیہ السلام کامیاب بھی ہو جاتے۔

اس وقت کے کوفہ کا نہ مدینہ ومکّہ سے موازنہ کیا جاسکتا ہے اور نہ خراسان سے کوئی موازنہ کیا جاسکتا ہے۔اس کا ہم پلّہ فقط شام تھا۔دعوت اہل کوفہ کی زیادہ سے زیادہ تاثیر اس قیام کی تشکیل میں یہ ہے کہ امام مکہ سے حرکت کریں اور کوفہ کو اپنا مرکز قرار دیں۔۔لہٰذا دعوت اہل کوفہ کا عمل دخل ایک فرعی امر میں ہے اور بس یعنی یہ نہضت اور قیام عراق میں صورت پذیر ہو ورنہ قیام کی یہ اصلی وجہ ہر گز نہیں ہے۔جب امام کوفہ کی سرحد کے نزدیک پہونچتے ہیں تو لشکر حر آکر سدّ راہ ہوتا ہے۔امام کوفیوں سے کہتے ہیں: تم نے مجھے بلایا ہے اب اگر تم نہیں چاہتے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ لوٹ جاتا ہوں اور جا کر یزید کی بیعت کر لیتا ہوں اور اپنی ان تمام باتوں سے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ظلم وفساد اور ان حالات میں ایک مسلمان کی ذمہ داری کے حوالے سے کہی ہیں ان تمام باتوں سے دستبردار ہو جاتا ہوں اور بیعت کرکے خانہ نشین ہو جاتا ہوں۔،ایسا ہر گز نہیں ہے۔بلکہ مقصود امام یہ ہے کہ میں اس حکومت کو صالح نہیں سمجھتا اور ایسے میں اپنی ایک ذمہ داری سمجھتا ہوں، تم اہل کوفہ نے مجھے بلایا اور کہا کہ اے حسین ہم تمہارے مقصد میں تمہاری نصرت کریں گے ، تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنوان سے قیام کیا ہے، ہم تمہاری مدد کریں گے ،اب کہتے ہو کہ اہل کوفہ اپنے عہد و پیمان پر باقی نہیں رہے تو لو میں بھی کوفہ نہیں جاتا اور اپنے اصلی مرکز کی طرف واپس چلا جاتا ہوں، مدینہ و حجاز یا مکہ واپس چلا جاتا ہوں۔لیکن یاد رہے میں کسی بھی صورت میں بیعت نہیں کروں گا، بھلے ہی مجھے اپنی جان قربان کیوں نہ کرنی پڑے۔لہٰذا اس سبب کا زیادہ سے زیادہ اثر یہ ہے کہ امام مکّہ چھوڑ کر کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔

۳۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر

قیام امام حسین علیہ السلام کا تیسرا اور بنیادی سبب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔اور یہ نصّ کلام امام ہے۔جب امام نے انکار بیعت کرنے کے بعد مدینہ کو خیر باد کہنے کا ارادہ کیا، اس وقت ایک وصیت نامہ ترتیب

---

۱۔اس دور میں اسلامی ملک کے دو مرکز تھے: کوفہ اور شام

دیا [بقول شہید مطہری اگر اس کو وصیت نامہ نہ کہہ کر سفارشنامہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا] اور اس کو محمد حنفیہؒ کے حوالے کرکے مدینہ سے روانہ ہوئے وصیت نامہ کا متن کچھ اس طرح ہے:

''هٰذَا مَا اَوْصٰی بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍ اَخَاهُ مُحَمَّداً الْمَعْرُوفُ بِابْنِ الْحَنَفِيَةِ اِنِّیْ مَاخَرَجْتُ اَشِراً وَلَا بَطِراً وَلَا مُفْسِداً وَلَا ظَالِماً اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِی اُمَةِ جَدِّیْ اُرِیْدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَسِيْرُ بِسِيْرَةِ جَدِّی وَاَبِیْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ''۔ میں نے جاہ طلبی، خوش گزرانی، روئے زمین پر فتنہ و فساد کا بازار گرم کرنے اور ظلم و ستم روا رکھنے کے لئے قیام نہیں کیا، میرا قیام اس لئے ہے کہ میں اپنے جد کی امّت کی اصلاح کروں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور چاہتا ہوں کہ اپنے اب وجد کی سیرت پر چلوں [جو میرے جد کی وفات کے بعد اس پچاس برس کے عرصے میں نذر طاق نسیاں ہو چکی ہے] امام علیہ السلام دنیا کو اپنے اب وجد کی سیرت سے روشناس کرانا چاہتے تھے وہی سیرت جس کو ادوار ثلاثہ میں بھی بھلا دیا گیا تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو شوری میں کبھی قرآن و سنت کے علاوہ سیرت شیخین کی قید نہ لگائی جاتی۔ یہ وہی شرط تھی جس کو حسین علیہ السلام کے بابا علی علیہ السلام نے قبول نہیں کیا اور عثمان نے قبول کرلیا اور مسلمانوں کے خلیفہ بن بیٹھے [بھلے ہی بعد میں جس شرط کی بنیاد پر وہ حضرت خلیفہ بنے تھے اس کو پس پشت ڈال دیا اور انجام کار بنی امیہ کو پروان چڑھانے کے جرم میں سفاکانہ طریقے سے قتل کردئے گئے] اس وقت دنیائے اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علاوہ ایک اور چیز تھی اور وہ چیز تھی روش و سیرت پیغمبرؐ، جو اس پچاس برس کے عرصے میں امیر المؤمنینؑ کے دور خلافت کو چھوڑ کر نذر طاق نسیاں ہو چکی تھی۔ امیر المؤمنینؑ کے عہد خلافت میں بھی مکمل طور پر سیرت پیغمبر رائج نہیں ہو سکی، کیونکہ ابو بکر و عمر و عثمان نے ایسی روش اختیار کی تھی کہ علی جیسا سالک راہ خدا بھی بہت سارے موارد میں روش و سیرت پیغمبرؐ کو رائج کرنے پر قادر نہیں تھا۔ جب امام علی علیہ السلام سیرت پیغمبرؐ کو نافذ کرنا چاہتے تو لوگ آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ نماز تراویح اس امر کی بین دلیل ہے، جو اہلسنت کے یہاں باجماعت پڑھی جاتی ہے، یہ عمر کی ایجاد ہے۔ نماز نوافل کے لئے پیغمبرؐ کی سیرت میں باجماعت نماز پڑھنا نہیں ہے۔ علی علیہ السلام کے روکنے ٹوکنے پر ہر طرف سے واعمراہ کی صدائیں بلند ہونے لگتی تھیں۔ امام قاضی شریح کو برکنار کرنا چاہتے تھے، لوگوں نے کہا: اے علی آپ اس شخص کو برکنار کرنا چاہتے ہیں جو بیس برس پہلے سے عمر کے دور سے منصب قضاوت پر فائز ہے۔ بنابراین، اس پچاس برس کے عرصے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے علاوہ

رہبری کی روش تبدیل ہوچکی تھی۔امام حسین علیہ السلام کا یہ قول کہ :*اَسِیْرُ بِسِیْرَۃِ جَدِّی وَاَبِی *میں اپنے اب وجد کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں ؛یعنی نہ سیرت ابو بکر،نہ سیرت عمر نہ سیرت عثمان اور نہ کسی اور کی سیرت ؛یہی وجہ ہے کہ واقعہ عاشوراء میں ہمیں حسین بن علی کی ذات میں ایسے جلوے دکھائی دیتے ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ مسئلہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر،،مسئلہ انکار بیعت،اور مسئلۂ دعوت اہل کوفہ کے علاوہ کوئی دوسرا کام بھی ہے اور وہ یہ ہے وہ اپنے جد کی سیرت کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے تھے ؛چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے عام طور پر مدینہ سے لے کر کربلا تک کے سفر میں اور بالخصوص صبح عاشور سے لیکر عصر عاشور تک پیغمبر کی سیرت کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور سیرت پیغمبرؐ کے کسی گوشے اور نمونے کو تشنہ نہیں چھوڑا اور اس کے لئے حسین کو ایک وسیع میدان کی ضرورت تھی جہاں پیغمبرؐ کی سیرت کے ہر رخ کی عملی تصویر پیش کی جاسکے اور اس مقصد کے لئے حسین نے کربلا کا انتخاب کیا،اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حر حسین علیہ السلام کو گھیر کر کربلا نہیں لایا بلکہ یہ حسین علیہ السلام تھے جو حر کو اپنے ساتھ کربلا لے کر آئے تھے تاکہ صبح عاشور عروس شہادت کو گلے لگا کر حقیقی اور دائمی زندگی سے سرافراز ہوسکے اور احترام نام فاطمہ سلام اللہ علیہا کا انعام پاسکے۔تاریخ کا طالبعلم سیرت پیغمبرؐ کے ایک نمونہ کا مطالعہ امام رضا علیہ السلام کی نماز عید الفطر میں کرسکتا ہے جہاں سیرت پیغمبرؐ کے اس نمونہ کی تجلی سے گھبرا کر مامون کو حضرت رضا علیہ السلام کو واپس بلانا پڑتا ہے۔نماز عید تو پہلے بھی ہوتی تھی لیکن روش پیغمبرؐ کے مطابق ہر گز نہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے دور میں پیغمبرؐ کی سیرت تبدیل ہوچکی تھی زمین سے لے کر آسمان تک کا فرق تھا۔دور ابو بکر اور عمر میں تھوڑا بہت سیرت پیغمبرؐ کا لحاظ کیا گیا لیکن دور عثمان میں سیرت پیغمبرؐ نے بالکل ہی دوسری شکل اختیار کرلی۔خلیفۂ مسلمین کے زیادہ تر نامناسب اقدامات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ص) پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ سیرتِ پیغمبرؐ پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ تھے۔

امام حسین علیہ السلام کے دور میں جس نے پیغمبرؐ کو دیکھا ہے،ابو بکر و عمر کو دیکھا ہے اور علی علیہ السلام کے عہد خلافت مہد میں علی (ع) کو دیکھا ہے وہ اب دنیائے اسلام کے مرکز میں آکر ایک ایسے جوان کو دیکھتے ہیں جو خاصا لمبا چوڑا اور بقولے حسین و جمیل ہے،لیکن چہرے پر نشانات ہیں،ایک شاعر مسلک جوان ہے،بہت اچھے شعر کہتا ہے لیکن تمام اشعار شراب وکباب،معشوق اور سگ و میمون کی تعریف میں ہوتے ہیں۔جس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے سات دروازوں سے گزرنا پڑتا ہے۔مشتاق ملاقات کو پہلے دربانوں سے نجات

حاصل کرنا پڑتی ہے، تفتیش کے بعد اگر وہاں سے گزر گیا تو اس کے بعد بھی اور دروازوں اور دربانوں کو پار کرنے کے بعد شرف زیارت نصیب ہو سکتا ہے۔ وہاں پہونچنے کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص آراستہ مقام پر تخت طلا پر بیٹھا ہوا ہے اور وہاں طلائی اور نقرئی کرسیاں لگی ہوئی ہیں اور ان کرسیوں پر اعیان واشراف اور دیگر ممالک کے سفیر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس شخص کے پہلو میں زربفت کے قیمتی لباس سے آراستہ ایک بندر بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا شخص کہتا ہے: میں خلیفۂ رسول ہوں۔ دستورات الٰہی کا نفاذ اس کے ہاتھ میں ہے۔ نماز جمعہ بھی پڑھاتا ہے، خطبہ بھی دیتا ہے، یہاں تک کہ عوام کو موعظہ بھی کرتا ہے۔ یہاں پہونچ کر وہ سمجھتا ہے کہ حسینی قیام دنیائے اسلام کے لئے کتنا مفید ہے اور کس طرح اس قیام نے ان اسرار سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس دور میں ارتباطی وسائل نہیں تھے۔ ایک جگہ کے لوگ دوسری جگہ کے حالات وواقعات سے باخبر نہیں ہوتے تھے۔ آمد ورفت بھی بہت کم تھی اور جو افراد کبھی کبھار مدینہ سے شام جاتے تھے ان کو یزید اور اس کی حکومت کی کوئی خبر نہیں ہوتی تھی۔ شہادت امام حسین کے بعد مدینہ کے لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ یہ کیسے ہو گیا؟ فرزند پیغمبرؐ کو قتل کر دیا گیا، کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا، حقیقت ماجرا جاننے کے لئے عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی سرپرستی میں بغرض تحقیق مدینہ سے ایک وفد شام کے لئے روانہ ہوتا ہے تاکہ شام جاکر قتل امام حسینؑ کی وجہ معلوم کرے۔ وفد کی واپسی پر لوگوں نے پوچھا کہ آخر کیا بات تھی؟ جواب ملا: کیا بتائیں! بس اتنا سمجھ لو کہ ہم لوگ جتنے دنوں تک وہاں رہے ہمیشہ دعا کرتے رہے کہ خدایا! ایسا نہ ہو کہ ہم پر آسمان سے پتھر کی بارش ہو اور ہم ہلاک ہو جائیں۔ ہم ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہیں جس کا مشغلہ شراب نوشی، مے گساری، اور سگ بازی ومیمون بازی ہے۔ لہو ولعب کا دلدادہ ہے۔ محارم سے زنا کرنا اس کے لئے معمول کی بات ہے، یہ ہے کل حقیقت جس کی پردہ پوشی کے لئے حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔ اہل مدینہ کے قیام کی بنیادی وجہ یہی ہے جس کی پاداش میں واقعہ حرہ رونما ہوا اور اس کے بعد ایک سلسلہ چل نکلا۔

امام حسینؑ جب تک زندہ رہے ایسی باتیں کہتے رہے: وَعَلَی الْاِسْلَامِ اَلسَّلَامِ اِذْ قَدْ بُلِیَتِ الْاُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ یَزِید[1] اگر امت مسلمہ کی باگ ڈور یزید جیسے شخص کے ہاتھ میں ہو پھر اسلام کا فاتحہ سمجھو۔ لیکن اس وقت کسی کی سمجھ میں آپ کی بات نہیں آرہی تھی، لیکن آپ کی شہادت کے بعد دنیائے اسلام میں جیسے زلزلہ آگیا۔ اس کے

---

۱۔ مقتل مقرم، ص ۱۴۶۔

بعد لوگ گئے اور قریب سے جا کر دیکھا اور سمجھا کہ جو چیز وہ آئینہ میں دیکھنے سے قاصر تھے وہ حسین کو خشت خام میں نظر آرہی تھی۔انھیں اب حسین کی حقانیت کا یقین آیا کہ حسین (ع) حرف بہ حرف اپنے موقف میں صادق تھے؛ یہ تھا وہ مقصد جس کے لئے حسین نے قیام کیا[۱]۔

امام نے اپنے اس اقدام سے یہ ثابت کر دیا کہ کبھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں لوگوں کو عمیق اور گہری بیہوشی سے جگانے کے لئے پانی کی نہیں بلکہ خون کے چھیٹوں کی ضرورت پڑتی ہے نیز امام کے اس اقدام سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی حد نہیں ہے،البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر حسین جیسا ہو،ورنہ وہ احتمال تاثیر کے فلسفہ میں الجھ کر رہ جائے گا۔

امام علیہ السلام دعوت اہل کوفہ سے پہلے مدینہ میں اپنے قیام کا آغاز اس اعلان سے کرتے ہیں کہ میری شرعی ذمّہ داری ہے کہ میں حکومت کے مقابلے قیام کروں، کیونکہ دنیائے اسلام میں منکرات کا بول بالا ہے اور ہر طرف فسادات اور ظلم وستم کا بازار گرم ہے۔در حقیقت امام کی نظر میں اگر یزید امام سے مطالبۂ بیعت نہیں کرتا،اگر اہل کوفہ امام کو دعوت نہیں دیتے،تو بھی امام پر لازم تھا کہ بموجب حکم شرع اسلام کو لاحقہ اور ممکنہ خطرات سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے قیام کرتے اور حکومت وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔یہ اتفاق تھا کہ مرگ معاویہ کے فورا بعد یزید مطالبۂ بیعت کرتا ہے اور امام انکار کرتے ہیں اور انکار بیعت کے نتیجے میں جب کوفیوں کو امام کے انکار بیعت کی خبر ملتی ہے تو وہ امام کو کوفہ آنے کی دعوت دیتے ہیں۔اگر مطالبہ بیعت اور دعوت اہل کوفہ یہ دونوں باتیں نہ بھی ہوتیں تو بھی امام ضرور قیام کرتے۔یہی وجہ ہے کہ امام اپنے قیام کا اعلان کرتے وقت نہ مطالبۂ بیعت کا ذکر کرتے ہیں اور نہ دعوت اہل کوفہ کا۔

مندرجہ ذیل دو نکات پر توجہ مبذول کرنے سے اس سبب اور عنصر کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے:

---

۱۔حماسۂ حسینی،استاد مظہری،ج۲،ص۲۵۷۔

۱۔امام ترک مدینہ اور دعوت اہل کوفہ سے پہلے محمد حنفیہؒ کو سپرد کئے گئے اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:"میرا قیام اصلاح کے لئے ہے اور میں بموجب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قیام کر رہاں ہوں"۔

۲۔امام کوفیوں کی بیوفائی سے باخبر ہونے کے بعد نہ صرف یہ کہ اپنے قیام کو ختم نہیں کرتے،اور نہ صرف یہ کہ یزید کی بیعت نہیں کرتے بلکہ اہل کوفہ کی بیوفائی کے بعد آپکا انداز اور بدل جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام کے ہیجان انگیز ترین خطبات اور اقوال، کوفہ کی شکست کے بعد تواریخ و مقاتل کے مابین السطور نظر آتے ہیں، ہم ذیل میں اس کے کچھ موارد کی نشان دہی کرتے ہیں:

۱۔اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ الدُّنْیَا قَدْ اَدْبَرَتْ وَآذَنَتْ بِوِدَاعٍ وَاَنَّ الْاٰخِرَۃَ قَدْ اَقْبَلَتْ وَاَشْرَقَتْ بِصَلَاحٍ اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِه وَاِنَّ الْبَاطِلَ لَا یُتَنَاهٰی عَنْه؟ لَیَرْغَبُ الْمُؤمِنُ فِی لِقَاءِ اللّٰہِ مَحَقّاً[۱] کیا نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے اعراض نہیں کیا جارہا ہے۔ایسے ناگفتہ بہ حالات و شرائط میں لازم ہے کہ ایک مؤمن لقاء پروردگار کی تمنا کرے اور اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کردے؛یعنی امر بالمعروف اور نہی المنکر کی اس قدر اہمیت اور قدر و قیمت ہے۔

۲۔راہ مکہ اور کربلا کے درمیان حالات کی تشریح کرتے ہوئے اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں: اِنِّی لَا اَرَی الْمَوتَ اِلَّا سَعَادَۃً وَالْحَیَاۃَ مَعَ الظَّالِمِینَ اِلَّا بَرَماً[۲] اے لوگو! میں ایسے حالات و شرائط میں مرنے کو صرف سعادت سمجھتا ہوں[بعض نسخوں میں شہادت کی لفظ موجود ہے] یعنی اگر کوئی امر بالمعروف اور نہی المنکر کی راہ میں قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے۔سعادت کے بھی یہی معنی ہیں۔اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو صرف ملامت سمجھتا ہوں۔یعنی ظالموں کے ساتھ صلح وآشتی حسین کی فطرت سے ناسازگار ہے۔

---

۱۔تحف العقول ص ۲۴۵۔تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ۔
۲۔سابق حوالہ۔

اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ امام اپنے فریضہ کی ادائیگی اس وقت کرتے ہیں جب حالات بہت مایوس کن ہوتے ہیں اور یہ وہ وقت ہے جب امام عراق کی سرحد کے قریب پہونچتے ہیں اور حر کے لشکر سے آپ کا سامنا ہوتا ہے۔ وہاں پر امام اتمامِ حجت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اوج کمال پر پہونچاتے ہوئے فرماتے ہیں :

۳۔اَیُّهَا النَّاس !مَنْ رَایٰ سُلْطَاناً جَائِراً مُسْتَحِلاً لِحَرامِ اللهِ ،نَاکِثاً لِعَهْدِ اللهِ ،مُسْتَاثِراً لِفَیِءِ اللهِ ،مُعْتَدِیاً لِحُدُودِ اللهِ ، فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْهِ بِفِعْلٍ وَلَا قَولٍ کَانَ حَقاً عَلَی اللهِ اَنْ یدخله مَدْخَلَه ۔اَلَا وَاِنَّ هٰؤُلَاءِ القَوْمِ قَدْ اَحَلُوا حَرامَ اللهِ وَحَرَّمُوا حَلَالَه وَاسْتَأثَرُوا فِیْ ءِاللهِ؛ [۱] اے لوگوں جس وقت کوئی کسی بھی ظالم وجابر حاکم کو دیکھے کہ وہ قانون الٰہی کو تبدیل کررہا ہے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کررہا ہے، مسلمانوں کے بیت المال کو اپنے شخصی مقاصد کے لئے استعمال کررہا ہے، حدود الٰہی کو پائمال اوران کی ان دیکھی کررہا ہے اور وہ ایسے حالات و شرائط میں اپنے قول و فعل سے اس کو بدلنے کی کوشش نہیں کررہا ہے اورفریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بتمام مراتب غافل ہے اور خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہوا ہے تو سزاوار ہے کہ خداایسے شخص کا وہی انجام کرے جو اس ظالم و جابر سلطان اور حاکم کا ہونے والا ہے ،اس کے بعد امام'' اِنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوم '' کہہ کر آل امیہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ کیا تم نہیں جانتے یہ تمام صفات رزیلہ اور اوصاف پلیدہ ان کے اندر پائے جاتے ہیں۔اس لئے اے لوگوں ایسے حالات میں جو بھی اس وقت سکوت اختیار کرے گا وہ بھی خدا کے نزدیک انھیں کے زمرہ میں شمار کیا جائے گا۔

جب انسان امام علیہ السلام کو ان صفات وخصائل کا مرقع اور مجموعہ پاتا ہے تو اس کے دل سے بے ساختہ یہ آواز نکلتی ہے کہ سزاوار ہے کہ نام حسین تاابد، زندہ و تابندہ رہے، کیونکہ حسین نے خود اپنے لئے کچھ نہیں کیا، خود کو انسان اور انسانیت، انسانی اقدار کی بالادستی اور توحید وعدالت کے لئے وقف اور قربان کردیا۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اور اپنے اصحاب وانصار کے خون سے وہ موج پیدا کی کہ اس موج نے سوئی ہوئی انسانیت اور مردہ دل انسانوں کو بیدار کردیا۔اس کے لئے ضروری تھا کہ امام تنہا نہ ہوتے ،اس لئے امام نے اپنے ہم خیال اور ہم عقیدہ لوگوں کی مختصر سی جماعت تیار کی کیونکہ اس موج میں جتنا زیادہ وسعت اور شدت

---

۱۔تاریخ طبری، ج۴، ص ۳۰۴۔

ہو گی، بہتر ہو گا۔امام نے اپنے اور اپنے اصحاب و اہلبیت کے خون سے بیدار مغز انسانوں کے دلوں پر وہ پیغام نقش کیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاوداں ہو گیا اور اس کی جاودانگی کا راز، اس پیغام اور قیام کا آگاہانہ اور صادقانہ ہونا ہے۔رسول گرامی اسلام ﷺ اپنی لسان حق ترجمان سے اس حقیقت کی ترجمانی یوں فرماتے ہیں: ''اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ حَرَارۃً فِی قُلُوبِ الْمُؤمِنِینَ لَا تَبْرُدُ اَبَداً'' قتل حسین سے مؤمنین کے دلوں میں وہ حرارت ہے جو کبھی خاموش اور سرد نہ ہو گی۔

## نتیجہ

جان کلام یہ کہ امام نے پہلی فرصت میں بموجب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قیام کیا،اس کے بعد بلحاظ اہمیت، امام کی نگاہ میں یزید پلید کا نامشروع مطالبۂ بیعت ہے،اور سب سے آخر میں دعوت اہل کوفہ۔لہٰذا اگر دعوت اہل کوفہ کا وجود نہ ہوتا اور یزید کی طرف سے مطالبۂ بیعت بھی نہ ہوتا،اس کے باوجود بھی امام عالی مقام ضرور بالضرور قیام کرتے۔

بیشک امام کا قیام ہمارے لئے حجت قاطع ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارے ائمہ کی سیرت میں ہمیشہ نااہلوں کے خلاف قیام و خروج حاکم نہیں رہا، بلکہ صلح وآشتی سے بھی ہمارے ائمہ نے کام لیا ہے۔اس کا راز شرائط زمان و مکان کی تبدیلی ہے جس کی شناخت ہر چیز پر مقدم ہے، کیونکہ شرائط کی عدم شناخت بڑے بڑے خطرات کو جنم دے سکتی ہے اور بلا کسی شک و تردید کے عمل کی درستگی سے اطمینان کے لئے بہترین راہ، زیر سایۂ ولایت حرکت کرنا ہے۔

---

ا۔جامع الاحادیث الشیعۃ،ج ۱۲،ص ۵۵٦۔